آخری قسط

مولانا مختار اللہ حقانی
مفتی ومدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

اعضا کی پیوند کاری اسلام کی نظر میں

مانعین پیوند کاری کے دلائل کا جائزہ

گزشتہ صفحات میں انسانی اعضاء کے پیوند کاری کے متعلق اول الذکر (عدم جواز) کی رائے اور اسکے متعلق دلائل کا ذکر کیا گیا لیکن اگر ان دلائل کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا وہ دلائل یا تو وقتی تھے یا ان کا محمل اور ہے چنانچہ

(۱) پہلی دلیل کا جائزہ: ان دلائل میں بنیادی دلیل یہ بیان کی گئی کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں اس لیے وہ اس میں کوئی تصرف اور قطع برید کی اجازت نہیں دے سکتا۔

جائزہ: یہ درست ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک حقیقی نہیں اس کے جسم بلکہ سارے کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو بعض چیزوں میں تصرفات کا کچھ اختیار دیا ہے۔ جسطرح مال وجائیداد اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے مگر جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے مال وجائیداد دی ہے تو اس کو اس مال وجائیداد میں مکمل تصرفات کا اختیار حاصل ہے، کہ وہ اپنا مال جس طرح چاہے حلال وجائز مواقع میں خرچ کرے اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی ابتداء ہی میں فرمایا ہے والذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنٰھم ینفقون (الایۃ) کہ متقین وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لائیں، نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے ان سے اللہ کی راہ پر خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے ”اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں انسان کی تصرفات کو نافذ العمل قرار دینا واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، اس طرح ذخائر فقہ میں انسان کے اپنے مال میں تصرفات کو نافذ العمل قرار دینے اور اس کو جاری رکھنے کے جواز اور حلت پر واضح تصریحات موجود ہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ جسم بھی انسان کو دیا ہے تو مال کی طرح اس کو اپنے جسم میں بھی تصرفات کرنے کی اجازت ہے، ہاں فرق اتنا ہے کہ اس شخص کو اپنے جسم میں تصرف کا اتنا اختیار حاصل ہے کہ یا تو اس تصرف سے دفع ضرر شدید مقصود ہو یا اس کو اس تصرف سے ضرر شدید نہ پہنچتا ہو اور اس کے اس تصرف سے دوسرے شدید ضرورت مند انسان کو فائدہ ملتا ہو اور اس کی زندگی بچ سکتی ہو ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی انسان کا کوئی عضو کینسر زدہ ہو جائے اور اس عضو کو باقی رکھنے سے دوسرے جسم کو نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو اس نقصان سے بچنے کے لیے اس عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے اور آج تک اہل علم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی ہے اگرچہ اس عضو کے کاٹنے سے انسان کا ظاہر جسم مثلہ شدہ کیوں نظر نہ آنے لگے۔ جس کی نظیر آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی پیش آئی تھی کتب سیر میں مذکور ہے کہ

غزوہ بدر کے موقع پر حضرت معاذ بن عفراءؓ نے ابوجہل پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا تو حضرت عکرمہؓ جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے نے باپ کو قتل ہوتے دیکھ کر حضرت معاذ بن عفراءؓ پر حملہ کیا اور اس کی تلوار سے حضرت معاذ بن عفراءؓ کا ہاتھ کٹ گیا مگر کچھ چمڑا باقی رہا جس کی وجہ سے حضرت معاذ بن عفراءؓ کا ہاتھ لٹکتا رہا اور اس سے آپ کو جنگ کرنے میں دشواری پیش آتی تھی اس لیے انہوں نے اس ہاتھ کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ کر کھینچا اور اپنے تن سے ہاتھ کو جدا کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کوئی نکیر نہیں فرمائی الخ اور اسی طرح اگر کسی مریض کو خون کی ضرورت ہے اور اس کی زندگی دوسرے انسان کے خون دینے سے بچ سکتی ہو تو تمام فقہا کرام نے اس کو جائز رکھا ہے اور آج تک اہل تحقیق نے اس کو ناجائز نہیں کہا ہے اور یہ بھی ایک قسم کا تصرف ہے، جو انسان کی من وجہ ملکیت کی دلیل ہے۔ تو گویا معلوم ہوا کہ انسان اگر چہ اپنے جسم کا مالک حقیقی تو نہیں لیکن اس کو جائز حد تک اپنے جسم میں تصرفات کی اجازت ضرور ہے۔

(۲) مانعین پیوندکاری کی دوسری دلیل کا جائزہ:

مانعین حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انسانی اعضا کی اس پیوندکاری میں مثلے کا عنصر پایا جاتا ہے اور مثلہ شرعاً ممنوع ہے۔

جائزہ: یہ بات بھی درست ہے کہ مثلہ اسلام میں ممنوع ہے مگر فقہاء کرام نے ضرورت کے وقت اس قسم کے قطع برید کو بھی جائز قرار دیا ہے فقہاء کرام نے لکھا ہے حاملہ عورت کے پیٹ میں اگر بچہ زندہ ہو اور اس بچے کے زندہ رہنے کا بھی امکان ہو تو شرعاً یہ جائز ہے کہ اس کی ماں کا پیٹ چاک کر کے اس بچے کو نکالا جائے گا صرف یہ نہیں بلکہ ایک مالی نقصان کے لیے بھی فقہاء کرام نے مردہ شخص کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دی ہے کہ اس کے پیٹ میں موجود مال نکال کر مستحقین کے حوالے کیا جائے اسی طرح اگر کسی کے گردے میں پتھریاں ہو یا اس کے اندر یا باہر کا کوئی عضو بے کار ہو چکا ہو تو فقہا نے اس اندام کو کاٹنے کی اجازت دی ہے۔ اس لیے ضرورت شدیدہ کے وقت انسانی جسم میں جو قطع برید کی جاتی ہے وہ مثلہ کے حکم سے مستثنیٰ ہے، مثلہ سے وہ قطع برید مراد ہے جو زمانہ جاہلیت میں لوگ جنگ کے دوران بلاضرورت اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے کرتے تھے۔

(۳) تیسری دلیل کا جائزہ:

عدم جواز کے قائلین کی تیسری دلیل یہ ہے کہ انسان قابل احترام ہے اسکی اہانت کی شریعت مقدسہ نے کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی ہے جبکہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے اس عمل میں اس کی تکریم وتحریم پامال ہوتی ہے اور اس میں اس کی اہانت کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام کے عبارات سے اس عمل کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

جائزہ: مگر اولاً سوچنا یہ ہے کہ کیا واقعی اس پیوند کاری سے انسان کی توہین وتحقیر ہوتی ہے یا نہیں اس سوال کے حل سے پہلے

(۱) یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ نصوص نے جس امر کو مبہم چھوڑا ہو اور اس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا ہو تو اس کی توضیح انسانی عرف وعادات سے کی جائے گی۔ چنانچہ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی مختلف فقہاء کرام کے نقطہ نظر پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے: **قال الفقهاء ايضا كل ماورد به الشرع مطلقاً ولاضابطة له فيه ولا فى اللغة يرجع فيه الى العرف كالحرز فى السرقة(اصول الفقه الاسلامى جلد ۲ ص ۸۳۱)** فقہاء کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ جو چیز شریعت میں مطلقاً وارد ہوئی ہے اور اس کیلئے شریعت میں کوئی ضابطہ ہے نہ لغت میں تو اسمیں عرف کیطرف رجوع کیا جائے گا، جیسا کہ سرقہ میں حفاظت مال کا مصداق۔

(۲) اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عرف وعادت زمانے اور علاقے کیساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں چنانچہ کبھی ایسا معاملہ بھی آجاتا ہے کہ علاقے یا وقت کی تبدیلی کی وجہ سے اس معاملے کے دو حکم ہو جاتے ہیں کبھی ایک حکم کو درست اور صحیح مانا جاتا ہے تو کبھی دوسرا حکم۔ اس لیے علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

والمتبدلة منها مايكون متبدلاً فى العادة من حسن الى قبح وباالعكس مثل كشف الراس فانه يختلف بحسب البقاع فى الواقع فهو الذى المروات قبيح فى البلاد المشرقية وغير قبيح فى البلاد المغربية فالحكم الشرعى يختلف باختلاف ذالك فيكون عند اهل المشرق قادحاً فى العدالة وعند اهل المغرب غير قادح (الموافقات جلد نمبر ۲ ص ۲۰۹، ۲۱۰) بعض چیزیں حسن سے قبیح کی طرف متبدل ہوتی ہیں اور بعض اس کے برعکس جیسے سر کا کھولنا مشرقی ممالک میں قبیح ہے مگر مغربی ممالک میں قبیح نہیں ہے تو اس اختلاف (عرف وعادات) کیوجہ سے اس کا شرعی حکم بھی مختلف ہو جائے گا، چنانچہ اہل مشرق کے نزدیک سر کا کھلا رکھنا عدالت کے لیے نقصان دہ ہے اور اہل مغرب کے نزدیک نقصان دہ نہیں ہوگا۔ تو اہانت واکرام کے متعلق نصوص میں کوئی ٹھوس اور بے لچک حدود مقرر نہیں ہیں اور نہ لغت اس امر کا محکم ہے، اس لیے اہانت واکرام کا یہ فیصلہ عرف اور عادات پر کیا جائے گا، چنانچہ زمانہ قدیم میں اس قسم کی قطع برید کو توہین میں شمار کیا جاتا تھا، اسلیے فقہاء کرام نے انسانی اجزاء سے انتفاع کو بیشک منع کیا مگر زمانہ حال کے مطابق انسانی اعضاء کی پیوند کاری میں توہین وتحقیر کا عنصر نہیں پایا جاتا بلکہ عطیہ دینے والے کو توقیر وتعظیم کے نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس شخص نے ایثار وقربانی دیکر ایک مضطر انسان کی جان بچائی ہے، اسلئے بڑے بڑے قائدین اور زعماء اپنے اعضاء کے سلسلے میں اس قسم کی وصیت کر جاتے ہیں اور یہ چیز ان کیلئے نیک نامی کا باعث بنتی ہے اور عام معاشرے میں انسانیت نوازی کی دلیل سمجھی جاتی ہے اور یہ بات تمام اہل علم پر عیاں ہے کہ "**لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان یعنی ان الاحکام**

التی تتغیر بتغیر الازمان ھی الاحکام المستندۃ علی العرف و العادۃ (درالاحکام ۱/ص ۴۷) اس سے کسی کو انکار نہیں کہ زمانہ کے تغیرات سے احکام تبدیل ہوجاتے یعنی جو احکام زمانے کے تغیر سے تبدیل ہوجاتے ہیں اس سے مراد وہ احکام ہیں جو عرف وعادت پر مبنی ہوں تو چونکہ زمانہ قدیم میں اس قطع وبرید کو قبیح اور برا سمجھا جاتا تھا اسلئے اس زمانہ میں فقہاء کرام نے اس عمل کو ناجائز کہا تھا۔ مگر زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے چونکہ اب ایسا کرنا توہین نہیں رہا اسلیے اب اس کا یہ حکم نہیں ہے اسلئے حضرت مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے۔

الجواب: اجزاء انسانی کے استعمال کی جو صورت مستلزم اہانت ہو، وہ ناجائز ہے اور جسمیں اہانت نہ ہو تو بضرورت وہ استعمال ناجائز نہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھوکر وہ پانی مریض پر چھڑکا یا پلایا جاتا تھا۔ (کفایت المفتی جلد نمبر ۹ ص ۱۴۳)

پس چونکہ موجودہ زمانے میں اجزا انسانی کی پیوندکاری کے ایسے طریقے ایجاد ہوگئے ہیں جو مستلزم اہانت نہیں اور نہ عرف میں ان کو اہانت سمجھا جاتا ہے اس لیے اصولی طور پر توہین کے قاعدے سے موجودہ پیوندکاری کو ناجائز قرار دینا محل نظر ہے۔

(۴) بعض فقہی جزئیات سے استدلال کا جائزہ:

عدم جواز کی اس رائے کو فقہ کے بعض جزئیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ مجبوری کے تحت انسانی عضو کا کاٹ کر کھانا منع ہے جو تفصیل باحوالہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہے۔

جائزہ: لیکن اگر ان جزئیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ انسان کا اپنا یا کسی اور کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالینا بسا اوقات اس کی ہلاکت یا ضرر شدیدہ کا باعث بنتا ہے۔ یہ اندیشہ قوی ہے۔ اس لیے علامہ ابن قدامہؒ اس منع کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ولنا ان اکلہ من نفسہ ربما قتلہ فیکون قاتلاً نفسہ و لا یتقین حصول البقاء باکلہ (المغنی لابن قدامۃ جلد ۹ / ۳۳۵) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان کا اپنے جسم میں سے کسی حصے کو کھالینا بسا اوقات اس کی موت کا سبب ہوگا اس طرح وہ اپنا قاتل ہوجائے گا۔ جبکہ اس کے کھانے سے اس کا زندہ رہنا یقینی نہیں ہے۔ تو مذکورہ جزئیات کا تعلق اس پیوندکاری اور استعمال سے ہے جو اس کی ہلاکت یا اس کے لیے ضرر شدیدہ کا باعث بنے۔ البتہ پیوندکاری کی وہ صورت جس میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اور محفوظ طریقے پر اس عمل کو انجام دیا جائے اور خود وہ شخص بھی ایسا کرنے پر رضامند ہو تو مذکورہ جزئیات اس صورت پر لاگو نہیں ہوتے۔

(۵) لعن اللہ الواصلۃ کا محل:

لعن اللہ الواصلۃ الخ عدم جواز کے قائلین اس روایت کو اعضاء انسانی سے انتفاع اور انکی پیوکاری کے

عدم جواز کے لیے بنیادی طور پر پیش کرتے ہیں مگر

جائزہ: اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس روایت میں اجزاء انسانی سے ایسے انتفاع کو منع کیا گیا ہے جو انسان کے لیے ضرورت کا درجہ نہ رکھتا ہو بلکہ محض تزئین و آرائش کے جذبات کی تسکین اس سے مقصود ہو۔

(۶) کسر عظم المیت الخ کا محمل: دوسری روایت جو بنیادی طور پر عدم جواز کیلئے پیش کیا جاتا ہے **کسر عظم المیت ، ککسر عظم الحی (الحدیث)**

جائزہ: یہ روایات عام طور پر محمول ہیں کہ جب کوئی انسانی ضرورت اس سے متعلق نہ ہو لیکن جب ضرورت شدیدہ متعلق ہو جائے تو پھر یہ حکم نہیں رہے گا حضرات فقہاء کرام نے ہی ضرورت کے تحت اس نص کے تعمیم کو چھوڑ دیا ہے، مثلاً ذخیرہ فقہ میں یہ مسئلہ درج ہے کہ جب کوئی عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہو اور بغیر آپریشن یعنی قطع برید کے اس بچے کی جان نہ بچ سکتی ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام نے اجازت دی ہے کہ اس مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے اس جنین کو نکالا جائے۔

اس عمل کے بارے میں علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے **لان ذالک سبب فی احیاء نفس محترمة بترک تعظیم المیت** (بحر الرائق جلد ۸ ص ۲۵) چونکہ ایسا کرنا ایک نفس محترمہ کی حیات کا سبب ہے اگرچہ اس میں تعظیم میت کا ترک لازم ہے تو بھی کوئی حرج نہیں، اور علامہ سمرقندیؒ نے لکھا ہے: **لو ان حاملاً ماتت وفی بطنها ولد یضطرب فان کان غلب الظن انه ولد حی وهو فی مدة یعیش غالباً فانه یشق بطنها لان فیه احیاء الادمی بترک تعظیم اهون من مباشرة سبب الموت** (تحفة الفقهاء جلد نمبر ۳ ص ۳۴۳)

اگر کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کرتا ہو اور غلبہ ظن ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے، جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے، تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائیگا اسلئے کہ اس میں ایک انسان کی زندگی کو بخشنا ہے اور کسی زندہ کو موت کا سبب بننے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے کہ آدمی کے تعظیم کے تقاضے کو چھوڑ دیا جائے، فقہاء احناف میں امام ابو جعفر طحاویؒ کے بارے میں یہ نقل ہے کہ آپ اس یسر کی وجہ سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔

(۲) اس طرح فقہا کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا ہو اور اس کی موت واقع ہو گئی اس کا اتنا مال بھی باقی نہ ہو جس سے اس شخص کی موتی کی قیمت ادا کی جائے تو اس شخص کے مالی تحفظ کیلئے اس مردہ انسان کا پیٹ چیر کر اس شخص کا موتی نکالنا جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ یہ روایت متکلم فیہ بھی ہے علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے: **وهو ضعیف جداً لایحتج به لا اختلاف فی ذالک** (المحلی جلد ۱۱ ص ۴۰) یہ روایت بہت ضعیف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

خلاصہ بحث:

لہٰذا دونوں طرفین کے آراء اور انکے دلائل کے پیش نظر من ناچیز کے کم فہم میں یہ بات آتی ہے کہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہونی چاہیے۔

(۱) مریض کی موت یا اس کی ناکارہ عضو کے ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہو۔

(۲) ماہر طب اس بات پر متفق ہو کہ اس ناکارہ مریض کا علاج انسانی عضو کے پیوند کاری کے بغیر ممکن نہ ہو۔

(۳) اور اس پر ان کا غالب گمان ہو کہ اس پیوند کاری سے مریض شفایاب ہو جائے گا۔

(۴) جو زندہ شخص کوئی عضو دے رہا ہو، اس کے بارے میں بھی ماہرین متفق ہوں کہ اس عضو کے نکالنے سے اس کی صحت پر شدید برا اثر نہیں پڑے گا۔

(۵) اس کے ساتھ زندہ شخص بہ طیب خاطر بلا کسی جبر و اکراہ کے بغیر کسی دنیاوی لالچ کے محض انسانی ہمدردی کی خاطر اپنا عضو عطیہ میں دے، اس لیے کہ انسان کا اپنا کوئی عضو فروخت کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

(۶) اور جس شخص نے وصیت کی ہو، اسکا عضو اس وقت نکالا جائیگا جب اسکی موت یقینی ہو، اور اس وقت اس عضو کو کسی مریض کی اشد ضرورت ہو، ورنہ بلا ضرورت کسی شخص کا عضو نکال کر بینک میں رکھنا، کہ جب ضرورت پیش آئیگی تو اس کی پیوند کاری کریں گے درست نہیں، اسلیے کہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا جواز ضرورت شدیدہ کے تحت سامنے آیا ہے، اور ضرورت کے بارے میں فقہاء کرام کا یہ قاعدہ ہے ''**ماابیح للضرورۃ یتقدّر بقدرھا (درر الحکام ۱/۳۸)**''

لہٰذا جب تک ضرورت پیش نہیں آئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

(۷) اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مردہ شخص کا عضو نکالنے کے دلئے ورثاء میت راضی ہوں۔

سوال: کیا مریض کو زندگی ملنے کی خوشی میں اپنے محسن کو انعام کی رقم تحفہ یا ھدیہ اپنی خوشی سے ادا کر سکتا ہے؟

جواب: گزشتہ تفصیل میں صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ رشتہ دار اور غیر رشتہ دار کا بوقت ضرورت اپنا کوئی ایسا عضو بطور عطیہ دینا جس سے مریض کو فائدہ کا ظن غالب ہو اور ساتھ اس زندہ انسان کی کوئی شدید نقصان بھی نہ ہو جائز اور مرخص ہے مگر اس کو ایک تجارتی مال سمجھ کر فروخت کرنا جائز نہیں اس لیے کہ بدن انسان مال نہیں جبکہ صحت بیع کے لیے مبیعہ کا مال ہونا ضروری ہے۔ **قال العلامۃ القرضاوی: ان القول بجواز التبرع بالاعضاء لایقتضی القول بجواز بیعھالان البیع کما عرفہ الفقھاء مبادلۃ المال بالمال بالتراضی وبدن الانسان لیس بمال (الفتاوی المعاصرۃ ج۲، ص ۵۸۸)**

بیشک اعضاء انسانی کی تبرع کا جواز اس کی خرید و فروخت کو جائز نہیں کرتا اس لیے کہ بیع کی تعریف فقہاء کرام کے ہاں دونوں فریقین کی رضامندی سے مال کو مال کے بدلے تبدیل کرنا ہے اور بدن انسانی مال نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص

کسی مریض کے ساتھ ایسی عظیم نیکی کرے تو بغیر کسی طے شدہ معاوضہ کے اس مریض کا بعد از صحت یابی اپنے محسن کو کچھ رقم دینے اور محسن کا اس رقم کو لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اسلیے علامہ قرضاویؒ فرماتے ہیں: **ولکن لو بذل المتنفع بالتبرع للشخص المتبرع مبلغا من المال غیر مشروط ولا مسمیٰ من قبل علی سبیل الھبة والھدیة والمساعدة فھو جائز بل ھو محمود من مکارم الاخلاق** (فتاوی معاصرہ ۲/۵۸۸)

لیکن جس مریض کو کسی انسان کا کوئی عضو پیوند کیا گیا ہو اور وہ شخص اپنے محسن کو بغیر کسی شرط کے کچھ مال جو پہلے سے متعین نہ کیا گیا ہو بطور ھبہ، ہدیہ یا امداد دے دے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ محمود اور مکارم اخلاق میں سے ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی نظیر موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی کسی کو قرض رقم دے دے اور واپسی پر اضافہ کی شرط نہ لگائے اور قرض لینے والا جب قرض واپس کرتے وقت اصل رقم مع کچھ اضافہ کے ساتھ واپس کرے تو یہ اضافہ سود میں نہیں آتا دینے والے کے لیے بھی جائز ہے اور لینے والے کیلئے بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود ایسا ہی کیا تھا۔

سوال: کیا کوئی شخص بعد از مرگ پیوند کاری کے لیے اعضاء حاصل کرنے کی وصیت کر سکتا ہے؟

سوال: اور کیا بعد از مرگ پیوند کاری کے لیے اس کے اعضاء حاصل کیے جاسکتے ہیں؟

جواب: گزشتہ تفصیل میں ذکر ہو چکا ہے کہ محققین علماء امت کے ہاں ضرورت کے تحت ایک انسان کسی شدید مرض میں مبتلا شخص کیلئے اپنا کوئی عضو تبرعاً دے سکتا ہے تا کہ اسکی زندگی بچ جائے یا وہ آرام وراحت کی زندگی بسر کرے۔ زندگی میں اپنا عضو دینا محمل ضرر بھی ہے مگر موت کے بعد عضو دینے میں صرف فائدہ ہی ہے کوئی ضرر نہیں۔ تو اس طرح کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی مریض کو اپنا عطیہ دینے کی وصیت کر سکتا ہے اور بعد از مرگ کسی کا عضو اس وقت نکالا جاسکے گا جب مردہ نے اپنی زندگی میں اس عضو کی وصیت کی ہو اور اسکے علاوہ اس شخص کے ورثاء بھی اس پر راضی ہوں ورنہ دونوں شرائط میں سے کسی ایک شرط کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس مردے کا عضو نکالنا جائز نہیں۔

سوال: کیا اعضاء کی پیوند کاری کیلئے مذہب، قومیت وغیرہ کی پابندی لگائی جاسکتی ہے؟

جواب: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں معلوم ہوا کہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری دوسرے ضرورت مند انسان میں بدرجہ مجبوری جائز ہے تو وجوبی طور پر اس میں مذہب، قومیت وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں اسلیے کہ انسانی اعضاء کفر اور اسلام کے اوصاف کیساتھ متصف نہیں ہوتے انکی حیثیت محض آلات کی ہے جس سے انسان زندگی میں اپنے لیے خدمت لیتا ہے لہذا اگر کسی کافر کا عضو کسی مسلمان کو منتقل ہو جائے تو وہ اسی کا عضو بن جاتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر سے اسلحہ لے لے تو وہ مسلمان اس اسلحہ کے ساتھ جہاد کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اعضاء چاہے مسلمان کے ہوں یا کافر کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور یہی قرآنی آیت "**وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن**

لاتفقهون تسبيحهم "(الاية) کہ ہر شئی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو، تو جب تمام اعضا اللہ تعالیٰ کی ثنا حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں تو چاہے وہ کافر کے ہوں یا مسلمان کے ان میں کوئی فرق نہیں۔ ہمارے قدیم فقہا کرام نے ایک کافرہ عورت کا دودھ ایک مسلمان بچے کیلئے حلال کیا ہے علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

ولاباس بان يستاجر المسلم الظئر الكافرة والتى قد ولدت من الفجور لان خبث الكفر اعتقادها دون لبنها والانبياء عليهم السلام والرسل صلوات الله عليهم فيهم من ارضع بلبن الكوافر كذالك فجورها لا يوثر فى لبنها(المبسوط للسرخى ۱۰ / ۱۲۷)

اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک مسلمان کسی کافرہ عورت کو اپنے بچہ کے لیے مرضعہ کے طور پر اجرت پر رکھے یا کسی فاجرہ عورت کو، اسلیئے کہ کفر کی خباثت اسکے اعتقاد میں ہوتی ہے اس کے دودھ میں نہیں، اسلیے ایک طویل بحث کے بعد بہت سے انبیاء کرام اور پیغمبروں نے کافرہ عورتوں کا دودھ پیا ہے۔ اسی طرح فاجرہ کے فسق و فجور کا اثر بھی اس کے دودھ میں نہیں ہے۔ اس لیے علامہ یوسف قرضاوی نے لکھا ہے **لهذا لايوجد حرج شرعى من انتفاع المسلم بعضو من جسد غير المسلم**"(فتاوی معاصر ۲۰ / ۵۹۳) اسلیے کسی مسلمان کا غیر مسلم کے عضو سے انتفاع میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص کے بدن میں کسی دوسرے مسلمان کی عضو کی پیوندکاری کی جائے اسلیے بعض فقہاء کرام کافرہ کے دودھ کو ارضاع کیلئے مکروہ کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الرشد قرطبیؒ نے لکھا ہے:

وتكره ظئورة مثل اليهوديات والنصرانيات لما يخشى من ان تطعمهم الحرام وتسقيهم الخمر وقال ابن حبيب عن مالك فاذا امن ذالك فلاباس به(مقدمات لابن رشد ۲ / ۷۱)

کہ یہودی اور نصرانی عورت کا دودھ مکروہ ہے اسلیے کہ اسمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ ان مسلمان بچوں کو حرام غذا کھلائیں گی یا شراب پلائیں گی ابن حبیب نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ جب اس بات کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اسمیں کوئی حرج نہیں۔ اسلیے اعضاء کی اس پیوندکاری میں مذہب، قومیت وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں اگر چہ بہتر یہ ہے کہ ایک مسلمان میں دوسرے مسلمان کا عضو پیوند کیا جائے لیکن ضرورت کے تحت اس تمیز کی بھی ضرورت نہیں۔

هذا ماظهر لى والله اعلم بالصواب

(مولانا مفتی) مختار اللہ حقانی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (۷/مئی ۲۰۰۸)